

ڈاکٹر آصف فرخی: بحیثیتِ افسانہ نگار

عادل جاوید¹، ڈاکٹر صدف فاطمہ²

¹پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی
²اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جامعہ کراچی

Corresponding Author: *

عادل جاوید

DOI: <https://doi.org/10.5281/zenodo.20508420>

Received	Accepted	Published
26 March 2026	05 May 2026	23 May 2026

ABSTRACT

Asif Farrukhi exhibits a mastery of narrative craft, underscored by his profound understanding of fiction as a literary form. His erudite engagement with both Eastern and Western fictional traditions is palpable in his short stories, which showcase a diverse array of narrative experiments. Farrukhi's fiction is characterized by its nuanced portrayal of the human condition and its attendant complexities. Notably, his stories adroitly leverage psychological insights to explore the human experience. As a prominent contemporary short story writer, Farrukhi's work is distinguished by its intellectual depth, narrative sophistication, and astute observation of the zeitgeist, reflecting his profound familiarity with the theoretical and creative dimensions of fiction. This article critically evaluates and analyses Asif Farrukhi's significant contributions to the realm of short story writing.

Keywords: Asif Farrukhi, Urdu Fiction, Short Story, Modern Urdu Literature, Symbolism, Magical Realism, Karachi, Narrative Technique, Psychological Fiction, Contemporary Urdu Afsana

INTRODUCTION

ادب انسانی زندگی کے تجربات اور مشاہدات کو الفاظ کے روپ میں محفوظ کرنے کا نام ہے۔ اس وسیع میدان میں افسانہ وہ صنف ہے جس نے جدید دور کے انسان کی بے چینی، اس کی نفسیات اور اس کے سماجی مسائل کو سب سے زیادہ متاثر کن انداز میں پیش کیا ہے۔ افسانہ محض ایک قصہ یا کہانی نہیں ہوتا، بلکہ یہ فنکار کے اس خاص نقطہ نظر کا نام ہے جس کے ذریعے وہ زندگی کے کسی ایک واقعے یا پہلو کو منتخب کر کے اسے معنی عطا کرتا ہے۔ ایک کامیاب افسانہ وہ ہے جو اپنے اختصار کے باوجود قاری کے ذہن پر ایک مکمل اثر چھوڑ جائے اور اسے یہ محسوس ہو کہ اس نے زندگی کا ایک جیتا جاگتا ٹکڑا دیکھ لیا ہے۔ اس فنی خوبی کو ادبی اصطلاح میں "وحدتِ تاثر" کہا جاتا ہے، جو افسانے کو دیگر اصنافِ سخن سے ممتاز کرتی ہے۔ (۱)

افسانے کی بنیادیں انسانی زندگی کی اس ضرورت پر قائم ہیں جہاں وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ بات سمجھنا اور سمجھانا چاہتا ہے۔ قدیم دور میں داستانیں اپنی طوالت اور مافوق الفطرت عناصر کی وجہ سے مشہور تھیں، لیکن جوں جوں انسانی زندگی میں مشین اور رفتار کا عمل دخل بڑھا، ادب میں بھی تبدیلی کی لہر آئی۔ مختصر افسانہ اسی تبدیلی کا نتیجہ ہے، جو ایک ہی نشست میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کی فنی ساخت میں پلاٹ، کردار، ماحول اور اسلوب بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ پلاٹ واقعات کی اس ترتیب کا نام ہے جو کہانی کو منطقی انجام تک پہنچاتی ہے، جبکہ کردار وہ جیتے جاگتے انسان ہوتے ہیں جن کے گرد کہانی کا تانا بانا بنا جاتا ہے۔ یہ عناصر جب آپس میں ہم آہنگ ہوتے ہیں، تو افسانہ ایک فن پارہ بن جاتا ہے۔ (۲)

اردو افسانے کی روایت کا آغاز بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب اردو زبان و ادب اپنی قدامت سے نکل کر جدیدیت کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ پریم چند وہ پہلے بڑے فنکار تھے جنہوں نے اردو افسانے کو داستانوں کے طلسمی غار سے نکال کر کچی مٹی کی خوشبو اور عام انسان کے دکھوں سے روشناس کرایا۔ ان کے ہاں

افسانہ سماجی اصلاح اور حقیقت نگاری کا ایک مضبوط ذریعہ بن کر ابھرا۔ پریم چند کے بعد افسانہ نگاری میں فنی اور موضوعاتی اعتبار سے کئی تجربات کیے گئے۔ 1936ء کی ترقی پسند تحریک نے افسانے کو سیاسی اور سماجی شعور سے جوڑا، جبکہ بعد کے ادوار میں مٹھو، بیدی اور کرشن چندر جیسے فنکاروں نے انسانی نفسیات اور جنسی گھٹیوں کو افسانے کا موضوع بنا کر اسے ایک نئی وسعت عطا کی۔ (۳)

افسانہ:

افسانہ اپنی صنف میں اس قدر لچک رکھتا ہے کہ یہ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ہجرت اور فسادات کے کرب نے افسانے کو بالکل نئے موضوعات دیے۔ اس دور میں یادِ ماضی اور علامت نگاری کے رجحانات پیدا ہوئے۔ انتظار حسین جیسے افسانہ نگاروں نے اساطیر اور قدیم قصوں کے ذریعے جدید دور کے انسان کی تنہائی اور بیگانگی کو پیش کیا۔ ساتھ کی دہائی میں اردو افسانے میں جدیدیت کا رجحان غالب رہا، جس میں براہِ راست بیانیے کے بجائے علامت اور استعارے کو اہمیت دی گئی۔ اس تبدیلی نے افسانے کو محض ایک واقعہ رہنے کے بجائے ایک گہرا فلسفیانہ تجربہ بنا دیا۔ آصف فرخی اسی بھرپور اور متنوع روایت کے پروردہ ہیں، جن کے ہاں روایت کا احترام بھی ہے اور نئے عہد کے تقاضوں کو سمجھنے کا شعور بھی۔ (۴)

افسانے کی تکنیک میں وقت کے ساتھ ساتھ جو تنوع آیا، اس نے افسانہ نگار کو یہ آزادی دی کہ وہ اپنے مواد کے مطابق بیان کا ڈھانچہ منتخب کر سکے۔ جدید افسانہ نگار اب صرف قصہ گوئی تک محدود نہیں رہا بلکہ وہ شعور کی رو، تجرید اور علامتی پیرائے میں اپنے باطن کی آواز کو قاری تک پہنچاتا ہے۔ آصف فرخی کے ہاں بھی تکنیک کا یہ تنوع بہت نمایاں ہے۔ وہ جہاں بیانیہ انداز میں کہانی سناتے ہیں، وہیں ضرورت پڑنے پر علامتوں کا ایسا جال بنتے ہیں کہ کہانی کے معنی کی کئی تہیں کھلنے لگتی ہیں۔ ان کا فن اردو افسانوی روایت کے ان تمام سنگِ میلوں سے فیض یافتہ ہے جو پریم چند سے شروع ہو کر عصر حاضر تک پہنچتے ہیں۔

آصف فرخی کے افسانوں کا موضوعاتی تنوع :

ڈاکٹر آصف فرخی کی افسانہ نگاری محض قصہ گوئی نہیں بلکہ یہ ایک ایسے تخلیقی شعور کا اظہار ہے جو اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی بحرانوں سے گہرا رشتہ رکھتا ہے۔ ان کے افسانوں میں ہمیں بیسویں صدی کے آخری نصف اور اکیسویں صدی کے آغاز کی سماجی تاریخ بکھری ہوئی ملتی ہے۔ آصف فرخی کے ہاں موضوعات کی رنگا رنگی محض سطح پر نہیں ہے بلکہ وہ انسانی وجود کے اندرونی انتشار کو معاشرتی تبدیلیوں کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کے مشاہدے میں ایک معالج کی سی باریک بینی ہے جو معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی بیماریوں کی تشخیص کرتا ہے۔ ان کے موضوعات میں جہاں عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیاں شامل ہیں، وہیں مقامی سطح پر کراچی جیسے بڑے شہر کے مسائل ان کے فکشن کا مرکز و محور ہیں۔ (۵)

کراچی: ایک سماجی اور نفسیاتی علامت کے طور پر

آصف فرخی کے افسانوں کا سب سے طاقتور اور جاندار موضوع کراچی شہر ہے۔ ان کے نزدیک کراچی محض ایک جغرافیائی مقام نہیں بلکہ ایک ایسی بستی ہے جو خوابوں اور ڈراؤنے خوابوں کے درمیان ہچکولے کھا رہی ہے۔ انہوں نے کراچی کے آشوب کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شہر ایک زندہ کردار بن کر ابھرتا ہے۔ ان کے مجموعوں "شہرِ بیتی" اور "شہرِ ماجرا" میں ہمیں اس شہر کی وہ تصویر ملتی ہے جہاں روشنیوں کی جگہ خوف نے لے لی ہے۔ آصف فرخی نے ان حالات کی عکاسی کی ہے جہاں ایک ہی گھر میں رہنے والے لوگ ایک دوسرے سے اجنبی ہو گئے ہیں۔ ان کے افسانوں میں سڑکوں پر بہتا ہوا لہو، کرفیو کی تنہائی اور دہشت گردی کے سائے میں جیتی ہوئی زندگی کا کرب نمایاں ہے۔ (۶)

خوف، دہشت اور انسانی وجود کا کرب

آصف فرخی کے افسانوی جہان میں خوف ایک مستقل موضوع کے طور پر موجود ہے۔ یہ خوف محض باہر کے حالات کا نہیں بلکہ انسان کے باطن میں جڑ پکڑ جانے والی اس بے یقینی کا ہے جو اسے اپنے ہی سائے سے ڈراتی ہے۔ افسانہ "صلوۃ الخوف" یا "ملاقات" میں انہوں نے دکھایا ہے کہ جب عبادت گاہیں بھی دہشت گردی کی زد میں آجائیں، تو انسانی نفسیات پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں خوف کی یہ لہر بچوں تک منتقل ہوتی نظر آتی ہے، جو ان کے افسانے "بلیک آؤٹ اور بچپن" کا بنیادی نکتہ ہے۔ وہ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ جس نسل کی آنکھ ہی بارود کے دھوئیں

میں کھلی ہو، اس کا مستقبل کیا ہوگا؟ ان کے موضوعات میں دہشت گردی محض ایک واقعہ نہیں بلکہ ایک ایسا ناسور ہے جو انسانی رشتوں کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ (۷)

ماحولیاتی تغیرات اور سمندر کا نوحہ

آصف فرخی کے ہاں فطرت سے لگاؤ اور ماحولیاتی تبدیلیوں کا موضوع بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کراچی کے ساحل اور سمندر ان کے کئی افسانوں میں ایک علامت بن کر آتے ہیں۔ افسانہ "سمندر کی چوری" میں وہ دکھاتے ہیں کہ کس طرح انسانی ہوس نے قدرت کے شاہکار کو بھی نہ بخشا اور ساحل کی زمین کو ذاتی مفادات کے لیے ہڑپ کر لیا گیا۔ یہ افسانہ علامتی طور پر معاشرے کی اخلاقی گراؤٹ کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے نزدیک سمندر کا گندا ہونا یا اس کا چوری ہو جانا دراصل انسانی ضمیر کے مر جانے کا استعارہ ہے۔ وہ دکھاتے ہیں کہ جب انسان فطرت سے رشتہ توڑ لیتا ہے تو وہ خود بھی اپنی اصل شناخت کھو دیتا ہے۔ ان کے موضوعات میں ماحولیات کا تحفظ محض ایک نعرہ نہیں بلکہ انسانی بقا کا سوال ہے۔ (۸)

آصف فرخی نے بدلتے ہوئے معاشرتی ڈھانچے میں انسانی رشتوں کی بدلتی ہوئی صورتحال کو بہت گہرائی سے محسوس کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں ہمیں پرانی روایات اور جدید طرز زندگی کے درمیان ایک مسلسل ٹکراؤ نظر آتا ہے۔ "رہسمی" اور "ناتی ہاؤس" جیسے افسانوں میں انہوں نے دکھایا ہے کہ کس طرح مادی ترقی نے ہمیں اپنے بزرگوں سے دور کر دیا ہے۔ ان کے ہاں بیٹیوں کے حوالے سے لکھے گئے افسانے "مینا کی گنتی" اور "ککڑی والا" جذبات کی اس نزاکت کو بیان کرتے ہیں جو ایک باپ اور بیٹی کے رشتے میں پنہاں ہوتی ہے۔ وہ رشتوں کے مٹنے اور گھروں کے بکھرنے کے عمل کو بہت حساسیت سے بیان کرتے ہیں اور یہ دکھاتے ہیں کہ جدید دور میں فرد کتنا تنہا ہو گیا ہے۔ (۹)

انفرادی شناخت کی گمشدگی اور وجودی بحران

جدید انسان کی سب سے بڑی المیہ اس کی گمشدہ شناخت ہے۔ آصف فرخی کے افسانوں کا انسان اکثر اس سوال سے جوہر رہا ہے کہ "میں کون ہوں؟"۔ ہجوم میں کھوئے ہوئے انسان کی تنہائی اور اس کی اپنی پہچان مٹ جانے کا کرب ان کے افسانوں "آتش فشاں پر ناچنے والا چوہا" اور "اسم اعظم کی تلاش" میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ دکھاتے ہیں کہ صنعتی اور مشینی زندگی نے انسان کو ایک نمبر یا ایک پرزہ بنا دیا ہے جس کا اپنا کوئی چہرہ نہیں رہا۔ آصف فرخی کے موضوعات میں یہ وجودی بحران بہت گہرا ہے، جہاں فرد اپنے وجود کی معنویت تلاش کرنے کی کوشش میں مزید الجھتا چلا جاتا ہے۔ (۱۰)

اساطیر، یاد ماضی اور جدید معنویت

آصف فرخی نے اپنی کہانیوں میں قدیم داستانوں، اساطیر اور مذہبی قصوں سے بھی موضوعات اخذ کیے ہیں، لیکن وہ انہیں ایک نئے عصری لہجے میں پیش کرتے ہیں۔ وہ ماضی کے قصوں کو حال کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ افسانہ "حرام مغز" اور "اصحاب کھف" میں وہ قدیم حکایات کے ذریعے جدید دور کے سیاسی اور سماجی جبر کو بیان کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ماضی محض ایک یاد نہیں ہے بلکہ وہ حال کو سمجھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ وہ دکھاتے ہیں کہ تاریخ خود کو دہراتی ہے اور انسان آج بھی انہی آزمائشوں سے گزر رہا ہے جن سے وہ صدیوں پہلے گزرا تھا۔ اساطیر کا یہ استعمال ان کے افسانوں کو ایک عالمگیر وسعت عطا کرتا ہے۔

آمریت اور سیاسی جبر کے اثرات

آصف فرخی کی افسانہ نگاری میں سیاسی شعور کی لہر بہت نمایاں ہے۔ انہوں نے آمریت کے ادوار میں پیدا ہونے والے سماجی گھٹن اور سیاسی جبر کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ ان کے افسانے "حرام مغز" اور "اسم اعظم کی تلاش" میں ہمیں اس سیاسی بیزاری اور جبر کی جھلک ملتی ہے جو کسی بھی آمرانہ نظام کا خاصہ ہوتی ہے۔ وہ براہ راست نعرہ بازی کے بجائے علامتی انداز میں دکھاتے ہیں کہ کس طرح سیاسی حالات ایک عام انسان کی نجی زندگی اور اس کے خوابوں کو متاثر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک سیاست محض اقتدار کی جنگ نہیں بلکہ یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر اثر انداز ہونے والی ایک طاقت ہے۔ (۱۱)

آصف فرخی کے افسانوں کا فنی اور اسلوبیاتی مطالعہ

کسی بھی ادیب کی پہچان اس کے اسلوب اور اس کے فن کی پختگی سے ہوتی ہے۔ اسلوب محض الفاظ کی سجاوٹ کا نام نہیں بلکہ یہ فنکار کی شخصیت اور اس کے منفرد مشاہدے کا اظہار ہوتا ہے۔ آصف فرخی کے افسانوں کا مطالعہ کیا

جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اردو افسانے کو ایک بالکل نیا اور اچھوتا بیان عطا کیا ہے۔ ان کا فن روایت کی جڑوں سے جڑا ہوا ہونے کے باوجود جدیدیت کے تمام رنگوں سے آراستہ ہے۔ آصف فرخی نے اپنے افسانوں میں زبان و بیان کے جو تجربات کیے، وہ انہیں اپنے ہم عصروں میں ایک نمایاں مقام عطا کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کہانی صرف واقعات کا بیان نہیں ہے بلکہ یہ اس مخصوص ڈھانچے کا نام ہے جس کے ذریعے وہ انسانی نفسیات اور معاشرتی مسائل کی گہرائی تک پہنچتے ہیں۔ (۱۲)

آصف فرخی کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی ان کی زبان کی صفائی اور سادگی ہے۔ وہ مشکل اور ثقیل الفاظ کے بجائے ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو عام انسان کی زندگی سے قریب ہوں۔ لیکن اس سادگی میں ایک ایسی معنویت چھپی ہوتی ہے جو قاری کو دیر تک سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ان کے ہاں طبی الفاظ اور ادبی زبان کا ایک ایسا حسین امتزاج ملتا ہے جو کسی اور افسانہ نگار کے ہاں نظر نہیں آتا۔ ایک معالج ہونے کے ناطے انہوں نے انسانی جسم کی بیماریوں کو معاشرے کی برائیوں کے لیے استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ان کے اسلوب میں جادوئی حقیقت نگاری کا رنگ بھی بہت نمایاں ہے، جہاں وہ غیر حقیقی واقعات کو اتنی سچائی سے بیان کرتے ہیں کہ وہ زندگی کا حصہ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ (۱۳)

افسانے کی فنی ساخت میں "پلاٹ" کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ آصف فرخی کے افسانوں کا پلاٹ روایتی کہانیوں کی طرح سادہ اور سیدھا نہیں ہوتا۔ وہ اکثر کہانی کو کسی ایک نقطے سے شروع کرنے کے بجائے اسے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کی صورت میں پیش کرتے ہیں، جنہیں قاری اپنی بصیرت سے جوڑتا چلا جاتا ہے۔ ان کے افسانے "وحدت تائر" کی بہترین مثال ہیں۔ وہ پلاٹ کی ترتیب میں اختصار اور جامعیت کا خاص خیال رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے کہانی میں کوئی بھی منظر یا مکالمہ فالتو محسوس نہیں ہوتا۔ ان کے ہاں پلاٹ کی تعمیر میں فضا آفرینی کو بہت اہمیت حاصل ہے، جو کہانی کے انجام کو مزید بااثر بنا دیتی ہے۔ (۱۴)

آصف فرخی کی کردار نگاری ان کے فن کا ایک اور مضبوط پہلو ہے۔ ان کے کردار محض فرضی نام نہیں بلکہ وہ ہمارے اس پاس کی زندگی سے لیے گئے گوشت پوست کے انسان ہیں۔ وہ اپنے کرداروں کے ظاہر سے زیادہ ان کے باطن کی دنیا کو دکھانے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ آصف فرخی کے کردار اکثر تنہائی، خوف اور بے چینی کا شکار نظر آتے ہیں، جو جدید دور کے انسان کی نفسیاتی عکاسی ہے۔ وہ کرداروں کی زبان سے ایسی گفتگو کرواتے ہیں جو ان کے سماجی مرتبے اور ذہنی کیفیت کے عین مطابق ہوتی ہے۔ ان کے ہاں مکالمے مختصر مگر بہت پر اثر ہوتے ہیں، جو کہانی کی رفتار کو برقرار رکھنے میں مدد دیتے ہیں۔

علامت نگاری اور استعارہ سازی

علامت نگاری اور استعارہ سازی آصف فرخی کے اسلوب کا لازمی جزو ہے۔ انہوں نے براہ راست بیان کے بجائے اشاروں اور کنایوں میں بات کرنے کا ہنر سیکھا ہے۔ ان کے افسانوں میں "سمندر"، "شہر"، "خون" اور "پرنڈے" محض مادی چیزیں نہیں ہیں بلکہ یہ گہرے انسانی تجربات کی علامتیں بن کر ابھرتی ہیں۔ مثلاً ان کے ہاں سمندر ضمیر کی وسعت کا استعارہ ہے اور شہر ایک ایسی قید گاہ ہے جہاں انسان اپنی شناخت کھو چکا ہے۔ علامات کا یہ برتاؤ ان کے افسانوں میں معنویت کی کئی تہیں پیدا کر دیتا ہے، جس سے کہانی کا اثر دیرپا ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے نزدیک آصف فرخی نے علامت نگاری کے ذریعے اردو افسانے کو ایک نئی فکری جہت عطا کی ہے۔ (۱۵)

تکنیک کے اعتبار سے آصف فرخی نے "صیغہ واحد متکلم (First Person Narration)" کا بہت کثرت سے استعمال کیا ہے۔ ان کے اکثر افسانے "میں" کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ تکنیک مصنف اور قاری کے درمیان ایک قریبی رشتہ قائم کر دیتی ہے، جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف اپنی آپ بیتی سنا رہا ہے۔ اس تکنیک کی بدولت وہ اپنے مشاہدات اور محسوسات کو زیادہ شدت اور سچائی کے ساتھ بیان کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ تاہم، وہ جہاں ضرورت محسوس کرتے ہیں، وہاں بیانیہ انداز اور "بغیضہ غائب" کو بھی بہت مہارت سے استعمال کرتے ہیں۔ تکنیک کا یہ تنوع ان کی فنی پختگی کی دلیل ہے۔

آصف فرخی کے اسلوب میں انٹر ٹیکسچوئلٹی (Intertextuality) کا عنصر بھی بہت نمایاں ہے۔ وہ اپنی کہانیوں میں اکثر عالمی ادب، قدیم داستانوں، مذہبی حکایات اور صوفیانہ روایات کے حوالے دیتے ہیں۔ وہ ماضی کے قصوں کو حال کے آئینے میں سجاتے ہیں، جس سے ان کا افسانہ محض ایک مقامی قصہ نہیں رہتا بلکہ اس میں ایک آفاقی رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ داستانوی رنگ اور جدید افسانے کی تکنیک کو اس طرح آپس میں ملاتے ہیں کہ قاری کو ایک انوکھا ادبی تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ ان کے ہاں الف لیلہ کے قصے ہوں یا کافکا کی نفسیاتی الجھنیں، سب ایک نئے اسلوبیاتی سانچے میں ڈھل کر سامنے آتے ہیں۔

آصف فرخی کے ہاں منظر کشی (Imagery) کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ وہ جزئیات نگاری کے ماہر ہیں اور معمولی سے معمولی چیز کو بھی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے۔ ان کی منظر کشی

میں ایک خاص قسم کا صوتی اور بصری آہنگ پایا جاتا ہے جو قاری کے حواس کو متاثر کرتا ہے۔ وہ شہر کی گلیوں کا حبس ہو یا سمندر کی ٹھنڈک، ہر کیفیت کو الفاظ کے ذریعے محسوس کروانے کا فن جانتے ہیں۔ ان کا اسلوب ایک ایسی لہر کی طرح ہے جو قاری کو اپنے ساتھ بہا لے جاتی ہے اور اسے اس دنیا کا حصہ بنا دیتی ہے جو مصنف نے تخلیق کی ہے۔ (۱۶)

آصف فرخی کے افسانوں میں تکنیک کا تنوع

ادبی تخلیق میں تکنیک وہ سانچہ ہے جس میں فنکار اپنے خیالات اور مشاہدات کو ڈھال کر پیش کرتا ہے۔ آصف فرخی اردو کے ان معدودے چند افسانہ نگاروں میں شامل ہیں جنہوں نے روایتی قصہ گوئی سے ہٹ کر بین الاقوامی ادب کے فنی تجربات کو اردو افسانے کا حصہ بنایا۔ ان کے ہاں تکنیک محض تجربہ برائے تجربہ نہیں ہے بلکہ وہ اسے کہانی کی معنویت کو گہرا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آصف فرخی کے افسانوی جہان میں ہمیں علامتوں کا ایک جال بکھرا ہوا ملتا ہے، جہاں اشیاء محض مادی وجود نہیں رکھتیں بلکہ وہ انسانی رویوں اور سماجی صورتحال کا استعارہ بن جاتی ہیں۔ ان کی فنی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ہی افسانے میں کئی تکنیکوں کو یکجا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

واحد متکلم کی تکنیک اور داخلی ابلاغ

آصف فرخی کے اکثر افسانوں میں "میں" یعنی واحد متکلم کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یہ تکنیک قاری اور مصنف کے درمیان فاصلوں کو ختم کر دیتی ہے۔ جب راوی اپنی آپ بیتی کے انداز میں کہانی سناتا ہے تو قاری اسے محض ایک قصہ نہیں سمجھتا بلکہ وہ خود کو اس صورتحال کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ آصف فرخی نے اس تکنیک کے ذریعے فرد کے داخلی کرب اور اس کی ذہنی الجھنوں کو نہایت کامیابی سے پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک "میں" محض ایک کردار نہیں ہے بلکہ وہ اپنے عہد کا وہ شاہد ہے جو ہر واقعے کو اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور اس کا تجزیہ کر رہا ہے۔ یہ تکنیک ان کے افسانوں میں سچائی اور گہرائی پیدا کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

شعور کی رو اور نفسیاتی زاویے

آصف فرخی نے اپنے کئی افسانوں میں "شعور کی رو" کی تکنیک کو برتا ہے۔ اس تکنیک میں واقعات کی کوئی ظاہری ترتیب نہیں ہوتی بلکہ راوی کے ذہن میں آنے والے خیالات جس ترتیب سے ابھرتے ہیں، انہیں اسی طرح بیان کر دیا جاتا ہے۔ افسانہ "حرام مغز" اور "اصحابِ کھف" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ یہاں ماضی، حال اور مستقبل ایک دوسرے میں پیوست نظر آتے ہیں۔ آصف فرخی اس تکنیک کے ذریعے یہ دکھاتے ہیں کہ انسانی ذہن ایک ایسی بستی ہے جہاں یادیں اور خدشات ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ تکنیک جدید دور کے انسان کی نفسیاتی ٹوٹ پھوٹ کو بیان کرنے کا بہترین وسیلہ بن کر سامنے آتی ہے۔ (۱۷)

جادوئی حقیقت نگاری اور اساطیری رنگ

اردو افسانے میں جادوئی حقیقت نگاری کو جن افسانہ نگاروں نے معتبر بنایا، ان میں آصف فرخی کا نام سرفہرست ہے۔ وہ عام زندگی کے واقعات میں فوق الفطرت عناصر کو اس طرح شامل کرتے ہیں کہ وہ بالکل فطری معلوم ہونے لگتے ہیں۔ ان کے ہاں اساطیر اور قدیم داستانوی علامتوں کا استعمال حال کی تلخیوں کو بیان کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ وہ الف لیلہ کی علامتوں کو جدید کراچی کے حالات سے جوڑ دیتے ہیں۔ یہ تکنیک قاری کو ایک ایسی دنیا میں لے جاتی ہے جہاں حقیقت اور خواب کی سرحدیں مل جاتی ہیں۔ ان کے نزدیک جادوئی حقیقت نگاری حقیقت سے فرار نہیں بلکہ حقیقت کی ایک زیادہ گہری اور معنی خیز شکل ہے۔ (۱۸)

علامتی نظام: سمندر اور شہر کا استعارہ

آصف فرخی کے علامتی نظام میں "سمندر" اور "شہر" مرکزی اہمیت رکھتے ہیں۔ سمندر ان کے ہاں زندگی کی وسعت اور انسانی جبلتوں کی علامت ہے۔ لیکن جب وہ "سمندر کی چوری" یا "سمندر کی بیماری" جیسے افسانے لکھتے ہیں، تو یہ سمندر ایک بیمار معاشرے کا استعارہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح "شہر" ان کے ہاں ایک ایسی جگہ ہے جو اپنے باسیوں کو تنہائی اور اجنبیت کا تحفہ دیتی ہے۔ ان کے علامتی نظام میں اشیاء بولتی ہیں اور حالات کی گواہی دیتی ہیں۔ وہ دکھاتے ہیں کہ کس طرح مادی ترقی نے انسان کے باطنی سمندر کو گدلا کر دیا ہے۔ ان کی علامتیں براہ راست نہیں ہوتیں بلکہ ان کے پیچھے معانی کی ایک پوری کائنات چھپی ہوتی ہے۔ (۱۹)

صوتی آہنگ اور رحتمک بیانیہ

آصف فرخی کے افسانوں کی ایک بڑی خوبی ان کی زبان کا صوتی آہنگ ہے۔ وہ الفاظ کو اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ ان میں ایک خاص قسم کی موسیقی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ "کونج"، "نہک نہک" اور "وڑا وڑا" جیسے رحتمک الفاظ کا استعمال کر کے ماحول کے تناؤ یا سکون کو محسوس کرواتے ہیں۔ ان کا بیانیہ خشک نہیں ہے بلکہ اس میں ایک بہاؤ پایا جاتا ہے۔ یہ تکنیک قاری کے حواس کو متاثر کرتی ہے اور وہ کہانی کے سحر میں کھو جاتا ہے۔ ان کے نزدیک لفظ صرف معنی کا ذریعہ نہیں بلکہ وہ آواز اور تصویر بھی رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے پڑھتے ہوئے ایک بصری اور صوتی تجربہ حاصل ہوتا ہے۔

بین المتنیت اور عالمی ادب سے استفادہ

آصف فرخی ایک وسیع المطالعہ ادیب تھے، اس لیے ان کے افسانوں میں بین المتنیت (Intertextuality) کی تکنیک بہت نمایاں ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں اکثر عالمی شعراء اور ادبا کے حوالے دیتے ہیں۔ وہ میلان کنڈیرا، کافکا اور بورخیس جیسے ادیبوں کے خیالات کو اپنے مقامی رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ یہ تکنیک ان کے افسانوں کو ایک آفاقی جہت عطا کرتی ہے اور یہ ثابت کرتی ہے کہ انسانی دکھ ہر جگہ ایک جیسے ہیں۔ وہ قدیم اردو داستانوں کے ٹکڑوں کو جدید فکشن کے ساتھ اس مہارت سے جوڑتے ہیں کہ روایت اور جدت کا ایک خوبصورت امتزاج سامنے آتا ہے۔ ان کے ہاں ماضی کا ورثہ حال کے مسائل کا حل تلاش کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ (۲۰)

اختصار اور وحدت تاثر کا فنی ہر تاؤ

آصف فرخی مختصر افسانے کے فن سے پوری طرح واقف ہیں۔ ان کے ہاں طوالت کی جگہ اختصار اور جامعیت کو اہمیت حاصل ہے۔ وہ کم سے کم الفاظ میں بڑی بات کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ ان کے افسانے شروع سے آخر تک ایک ہی تاثر کو برقرار رکھتے ہیں، جسے ادبی اصطلاح میں "وحدت تاثر" کہا جاتا ہے۔ وہ پلاٹ کی تعمیر میں غیر ضروری جزئیات سے گریز کرتے ہیں اور صرف انہی مناظر کو بیان کرتے ہیں جو کہانی کے مرکزی خیال کو آگے بڑھانے میں مددگار ہوں۔ یہی فنی اختصار ان کے افسانوں کو زیادہ پر اثر اور جاندار بناتا ہے۔ (۲۱)

اردو افسانوی ادب میں آصف فرخی کا مقام

کسی بھی عظیم فنکار کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے بعد آنے والے لکھنے والوں کے لیے کتنی راہیں ہموار کیں اور اپنی صنف کو کن نئے تجربات سے روشناس کرایا۔ ڈاکٹر آصف فرخی اردو افسانے کی تاریخ کا وہ معتبر نام ہیں جنہوں نے کہانی کو محض گزرے ہوئے وقت کا تذکرہ نہیں رہنے دیا، بلکہ اسے ایک زندہ حقیقت بنا کر پیش کیا۔ ان کی افسانہ نگاری اردو ادب میں اس لیے اہم ہے کہ انہوں نے روایت اور جدیدیت کے درمیان ایک ایسا پل تعمیر کیا جس پر چل کر قاری ماضی کی عظمت اور حال کی تلخیوں کو ایک ساتھ دیکھ سکتا ہے۔ آصف فرخی نے ثابت کیا کہ ایک اچھا ادیب وہ ہے جو اپنے معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی اندرونی تکلیف کو پہچان لے۔ (۲۲)

معالج اور تخلیق کار کا انوکھا امتزاج

آصف فرخی کی شخصیت میں ایک ڈاکٹر اور ایک ادیب اس طرح یکجا ہو گئے تھے کہ ان کی دونوں حیثیتوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا مشکل ہے۔ ایک معالج کے طور پر وہ انسانی جسم کی بیماریوں اور تکلیفوں سے واقف تھے، جبکہ ایک ادیب کے طور پر انہوں نے ان جسمانی تکلیفوں کو معاشرتی برائیوں اور اخلاقی پستی کے استعارے کے طور پر استعمال کیا۔ ان کے افسانوں میں طبی اصطلاحات کا استعمال محض علمی نمائش نہیں ہے، بلکہ یہ انسانی وجود کے بکھرنے اور معاشرے کے سڑنے کے عمل کو دکھانے کا ایک فنی ذریعہ ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح ایک بیمار جسم کو علاج کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح ایک پریشان حال معاشرے کو بھی سچائی کے مرہم کی ضرورت ہوتی ہے۔

آصف فرخی کی ایک بڑی خدمت یہ ہے کہ انہوں نے اردو افسانے کو عالمی ادب کے ہم پلہ کھڑا کیا۔ وہ صرف ایک افسانہ نگار نہیں تھے بلکہ ایک عظیم مترجم اور نقاد بھی تھے۔ انہوں نے دنیا بھر کے شاہکار ادب کا مطالعہ کیا اور

وہاں سے حاصل ہونے والی فنی باریکیوں کو اپنے افسانوں میں سمو دیا۔ ان کے ہاں میلان کنڈیرا، کافکا اور مارکیز جیسے عالمی شہرت یافتہ ادیبوں کے اثرات ملتے ہیں، لیکن انہوں نے ان اثرات کو اپنی مٹی اور اپنے ماحول کے مطابق ڈھال لیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا افسانہ مقامی ہونے کے باوجود ایک آفاقی پیغام رکھتا ہے۔ انہوں نے اردو قاری کو عالمی فکشن کے نئے رجحانات سے روشناس کرا کے ان کے ذہنی افق کو وسعت دی۔ اردو افسانے میں کراچی کی زندگی کو جس شدت اور درد مندی کے ساتھ آصف فرخی نے پیش کیا، وہ ان کا خاصہ ہے۔ انہوں نے کراچی کو صرف ایک شہر کے طور پر نہیں بلکہ ایک مٹی ہوئی تہذیب اور دم توڑتی ہوئی انسانیت کی علامت کے طور پر دکھایا۔ ان کے افسانے اس شہر کی وہ تاریخ ہیں جو سرکاری فائلوں میں نہیں بلکہ انسانوں کے دکھوں میں لکھی گئی ہے۔ "شہر بیٹی" اور "شہر ماجرا" کے ذریعے انہوں نے کراچی کے اس عہد کو محفوظ کر لیا ہے جو دہشت، خوف اور اجنبیت کا شکار تھا۔ ان کے نزدیک کراچی کا دکھ دراصل پورے پاکستان اور پوری انسانیت کا دکھ ہے جہاں مادی ترقی نے انسان سے اس کا سکون چھین لیا ہے۔ (۲۳)

روایت کی بازیافت اور اساطیری شعور

آصف فرخی کا فن جہاں جدیدیت سے آراستہ ہے، وہیں وہ اپنی قدیم داستانوں اور اساطیر سے بھی گہرا رشتہ رکھتے ہیں۔ وہ انتظار حسین کی اس روایت کو آگے بڑھاتے نظر آتے ہیں جس میں ماضی کی کہانیوں کے ذریعے حال کے مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔ ان کے افسانوں میں الف لیلہ، بدھ مت کی حکایات اور صوفیانہ روایات ایک نئے روپ میں سامنے آتی ہیں۔ وہ دکھاتے ہیں کہ انسانی جبلتیں اور اس کے مسائل صدیوں پہلے بھی وہی تھے جو آج ہیں۔ ماضی سے ان کی یہ وابستگی ان کے افسانوں کو ایک ایسی فکری گہرائی عطا کرتی ہے جو صرف انہی کا حصہ ہے۔ (۲۴)

انفرادی اور اجتماعی معنویت کا تعین

فرد اور معاشرہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔ انہوں نے فرد کی تنہائی اور بیگانگی کو معاشرتی ڈھانچے کی تبدیلیوں کے تناظر میں دیکھا ہے۔ ان کے کردار اکثر اپنی شناخت کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے نظر آتے ہیں، جو دراصل جدید دور کے ہر انسان کا مسئلہ ہے۔ ایک کامیاب افسانہ وہی ہے جو صرف ایک فرد کی کہانی نہ ہو بلکہ پورے عہد کی آواز بن جائے۔ ان کے افسانوی مجموعے "آتش فشاں پر کھلے گلاب" سے لے کر "میرے دن گزر رہے ہیں" تک، ان کا فنی سفر مسلسل ارتقاء کی علامت ہے۔

Institute for Excellence in Education & Research

آصف فرخی کا فکری افق

کسی بھی تخلیق کار کا ذہن ان کتابوں اور نظریات سے تشکیل پاتا ہے جن کا وہ مطالعہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر آصف فرخی محض ایک افسانہ نگار نہیں تھے، بلکہ وہ عالمی ادب کے ایک ایسے نبض شناس تھے جنہوں نے دنیا بھر کے بہترین فکشن کو نہ صرف پڑھا بلکہ اسے اردو میں منتقل کر کے مقامی ادب کا حصہ بنایا۔ ان کے افسانے اس فکری تبادلے کی بہترین مثال ہیں جہاں ایک طرف سندھ کی مٹی کی خوشبو ہے تو دوسری طرف لاطینی امریکہ اور یورپ کے جدید ادبی رجحانات کی جھلک ملتی ہے۔ آصف فرخی نے ثابت کیا کہ ادب کی کوئی سرحد نہیں ہوتی اور انسانی دکھ ہر جگہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ان کا فکری افق بہت وسیع تھا، جس کی وجہ سے ان کے افسانوں میں ایک ایسی ہم گیریت پیدا ہوئی جو انہیں اپنے ہم عصروں سے ممتاز کرتی ہے۔ (۲۵)

آصف فرخی کی افسانہ نگاری پر ان کے ترجمہ نگاری کے کام نے بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ انہوں نے میلان کنڈیرا، گبیریل گارسیا مارکیز اور اینٹون چیخوف جیسے بڑوں کے کام کو اردو میں منتقل کیا۔ یہ ترجمہ محض ایک لسانی عمل نہیں تھا بلکہ یہ آصف فرخی کے لیے ایک ایسا تجربہ تھا جس نے ان کے اپنے افسانوی بیانیے کو جلا بخشی۔ ترجمے کے دوران انہوں نے عالمی فکشن کی تکنیک، علامت نگاری اور کردار نگاری کی باریکیوں کو سمجھا اور پھر انہیں اپنے مخصوص رنگ میں اپنی کہانیوں میں برتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں بیانیے کی وہ گہرائی ملتی ہے جو عام طور پر ترجمہ نگاروں کے اپنے تخلیقی کام میں نظر آتی ہے۔ ان کے نزدیک ترجمہ کرنا ایک طرح سے دوسرے کے تجربے کو اپنا بنا لینا تھا، اور یہی عمل ان کی اپنی کہانیوں میں بھی معنویت پیدا کرتا ہے۔ (۲۶)

مقامی ثقافت اور عالمی شعور کا امتزاج

آصف فرخی کے افسانے اس لحاظ سے بھی منفرد ہیں کہ ان میں سندھی ثقافت اور عالمی شعور کا ایک خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ وہ سندھ کی لوک داستانوں، زماروں، درگاہوں اور وہاں کے عام انسانوں کی زندگی سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ ان کے مجموعے "ایک آدمی کی کمی" میں یہ رنگ بہت نمایاں ہے۔ لیکن وہ ان مقامی موضوعات کو بیان

کرتے ہوئے بھی اپنی نظر عالمی تناظر پر رکھتے ہیں۔ وہ دکھاتے ہیں کہ سندھ کے کسی گاؤں میں بیٹھے ہوئے انسان کا دکھ وہی ہے جو دنیا کے کسی بھی دوسرے کونے میں بسنے والے شخص کا ہو سکتا ہے۔ ان کے ہاں مقامی رنگ محض سجاوٹ نہیں ہے بلکہ وہ اسے ایک عالمی انسانی تجربے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس اسلوب نے ان کے افسانوں کو مقامی جڑوں سے جوڑے رکھا اور ساتھ ہی ایک آفاقی وسعت بھی دی۔ (۲۷)

نفسیاتی حقیقت نگاری اور فرد کی داخلی دنیا

آصف فرخی نے اپنے افسانوں میں انسانی نفسیات کی تہوں کو کھولنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ وہ صرف ظاہری واقعات کو بیان نہیں کرتے بلکہ وہ ان کیفیات کو زبان دیتے ہیں جو انسان کے باطن میں ہلچل مچاتی ہیں۔ ان کے کردار اکثر ایک ایسی خاموش جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں جو ان کے اپنے اندر جڑ پکڑ لیتی ہے۔ "خوف"، "تنہائی" اور "اجنبیت" ان کے پسندیدہ نفسیاتی موضوعات ہیں۔ انہوں نے دکھایا ہے کہ جدید دور کا انسان مادی آسائشوں کے باوجود کیوں اندر سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔ ان کے ہاں نفسیاتی حقیقت نگاری کا یہ انداز لاشعور کی گہرائیوں تک جاتا ہے، جہاں انسان اپنی اصل شناخت سے روبرو ہوتا ہے۔ ڈاکٹر انور احمد کے مطابق آصف فرخی نے انسانی وجود کے ان پوشیدہ دکھوں کو افسانے کا روپ دیا ہے جن پر عام طور پر نظر نہیں جاتی۔ (۲۸)

آصف فرخی نے لاطینی امریکہ کے ادیبوں سے متاثر ہو کر اردو افسانے کو اس نئے رنگ سے روشناس کرایا۔ ان کے ہاں حقیقت اور خواب کی سرحدیں اس طرح ملتی ہیں کہ قاری کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کہاں سے حقیقت ختم ہوئی اور کہاں سے تخیل شروع ہوا۔ ان کے افسانوں میں پرندے باتیں کرتے ہیں، اشیاء حرکت کرتی ہیں اور گزرے ہوئے لوگ حال میں واپس آ جاتے ہیں۔ یہ تمام تجربات دراصل تلخ حقائق کو زیادہ موثر انداز میں بیان کرنے کے لیے کیے گئے ہیں۔ ان کے نزدیک جادوئی حقیقت نگاری حقیقت سے فرار نہیں بلکہ سچائی کو دیکھنے کا ایک زیادہ گہرا اور وسیع زاویہ ہے۔ ان کے ہاں جدیدیت کے وہ تمام عناصر موجود ہیں جو فرد کی آزادی اور اس کی داخلی دنیا پر زور دیتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ان کے ہاں مابعد جدیدیت کے اثرات بھی ملتے ہیں، جہاں وہ تاریخ کی دوبارہ تشکیل کرتے ہیں اور بیانیے کے بکھراؤ کو قبول کرتے ہیں۔ ان کی افسانہ نگاری ایک طرح سے ان تمام نظریات کا نچوڑ ہے جنہوں نے بیسویں صدی کے اواخر میں اردو ادب کو متاثر کیا۔ انہوں نے کسی ایک نظریے کی اندھی تقلید کے بجائے اپنی تخلیقی جبلت پر بھروسہ کیا، جس کی وجہ سے ان کا افسانہ بر دور کے قاری کے لیے معنویت رکھتا ہے۔

حوالجات

- ۱۔ سیدوقار عظیم، (داستان سے افسانے تک، لاہور: الوفاق پبلیکیشنز، ۲۰۰۲ء)، صفحہ ۱۶۔
- ۲۔ ڈاکٹر فوزیہ اسلم، (اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء)، صفحہ ۲۰۔
- ۳۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، (اردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۱ء)، صفحہ ۶۵۔
- ۴۔ ڈاکٹر انور احمد، (اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۱ء)، صفحہ ۲۴۔
- ۵۔ غلام عباس، (آتش فشاں پر کھلے گلاب: فلیپ، کراچی: طارق پبلیکیشنز، ۱۹۸۲ء)، صفحہ فلیپ۔
- ۶۔ سید مظہر جمیل، (آشوبِ سندھ اور اردو فکشن، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۲ء)، صفحہ ۳۹۷۔
- ۷۔ ڈاکٹر شفیق انجم، (اردو افسانہ، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۸ء)، صفحہ۔
- ۸۔ گوپی چندرنانگ، (بیسویں صدی میں اردو ادب، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۸ء)، صفحہ ۱۸۵۔
- ۹۔ رخسانہ پروین، (آصف فرخی کی کہانی جہان معنی، لاہور: اردو بیکس ملتان، ۲۰۱۹ء)، صفحہ ۱۲۸۔
- ۱۰۔ ڈاکٹر انور احمد، (اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، ملتان: کتاب نگر پبلشرز، ۲۰۱۷ء)، صفحہ ۶۸۳۔
- ۱۱۔ ڈاکٹر انور احمد، (اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۱ء)، صفحہ ۵۳۵۔
- ۱۲۔ نگہت ریحانہ، (اردو مختصر افسانہ: فنی و تکنیکی مطالعہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء)، صفحہ ۳۳۔
- ۱۳۔ ڈاکٹر انور احمد، (اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۱ء)، صفحہ ۵۳۶۔
- ۱۴۔ ڈاکٹر فوزیہ اسلم، (اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء)، صفحہ ۲۱۔
- ۱۵۔ گوپی چندرنانگ، (بیسویں صدی میں اردو ادب، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۸ء)، صفحہ۔
- ۱۶۔ رخسانہ پروین، (آصف فرخی کی کہانی جہان معنی، لاہور: اردو بیکس ملتان، ۲۰۱۹ء)، صفحہ ۱۲۸۔
- ۱۷۔ ڈاکٹر انور احمد، (اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۱ء)، صفحہ ۵۳۵۔
- ۱۸۔ گوپی چندرنانگ، (بیسویں صدی میں اردو ادب، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۸ء)، صفحہ ۱۸۵۔
- ۱۹۔ سید مظہر جمیل، (آشوبِ سندھ اور اردو فکشن، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۲ء)، صفحہ ۳۹۷۔

- ۲۰۔ ڈاکٹر انور احمد ، (اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، ملتان: کتاب نگر پبلشرز، ۲۰۱۷ء)، صفحہ ۶۸۳۔
- ۲۱۔ نگہت ریحانہ ، (اردو مختصر افسانہ: فنی و تکنیکی مطالعہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء)، صفحہ ۳۳۔
- ۲۲۔ ڈاکٹر انور احمد ، (اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۱ء)، صفحہ ۵۳۶۔
- ۲۳۔ سید مظہر جمیل ، (آشوبِ سندھ اور اردو فکشن، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۲ء)، صفحہ ۳۹۷۔
- ۲۴۔ رخسانہ پروین ، (آصف فرخی کی کہانی جہانِ معنی، لاہور: اردو بیسک ملتان، ۲۰۱۹ء)، صفحہ۔
- ۲۵۔ گوپی چندرنانگ ، (بیسویں صدی میں اردو ادب، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۸ء)، صفحہ ۱۸۵۔
- ۲۶۔ حمید شابد، (اردو افسانہ: صورت و معنی، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۶ء)، صفحہ۔
- ۲۷۔ رخسانہ پروین ، (آصف فرخی کی کہانی جہانِ معنی، لاہور: اردو بیسک ملتان، ۲۰۱۹ء)، صفحہ ۱۲۸۔
- ۲۸۔ ڈاکٹر انور احمد ، (اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، ملتان: کتاب نگر پبلشرز، ۲۰۱۷ء)، صفحہ ۶۸۳۔
- ۲۹۔ گوپی چندرنانگ ، بیسویں صدی میں اردو ادب، صفحہ ۱۸۵۔

کتابیات

- احمد، ڈاکٹر انور ، (اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۱ء)
- احمد، ڈاکٹر انور ، (اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، ملتان: کتاب نگر پبلشرز، ۲۰۱۷ء)
- اسلم، ڈاکٹر فوزیہ ، (اردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء)
- انجم، ڈاکٹر شفیق ، (اردو افسانہ، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۸ء)
- بیگ، ڈاکٹر مرزا حامد ، (اردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۱ء)
- پال، جوگندر ، (نئے دور کا افسانہ: زبان و بیان کے مسائل، مضمولہ: سہ ماہی سفیر اردو، برطانیہ: ویلنٹ، ۱۹۹۹ء)
- پروین، رخسانہ ، (آصف فرخی کی کہانی جہانِ معنی، لاہور: اردو بیسک ملتان، ۲۰۱۹ء)
- جمیل، سید مظہر ، (آشوبِ سندھ اور اردو فکشن، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۲ء)
- چھتاری، طارق ، (جدید افسانہ: اردو ہندی، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۲ء)
- ریحانہ، نگہت ، (اردو مختصر افسانہ: فنی و تکنیکی مطالعہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۶ء)
- سرور، آل احمد ، (اردو میں افسانہ نگاری، مضمولہ: اردو افسانہ: روایت اور مسائل، مرتب کردہ: گوپی چند نرانگ، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۱۱ء)
- شابد، حمید ، (اردو افسانہ: صورت و معنی، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۶ء)
- عباس، غلام ، (آتش فشاں پر کھلے گلاب: فلپ، کراچی: طارق پبلیکیشنز، ۱۹۸۲ء)
- عظیم، سید وقار ، (داستان سے افسانے تک، لاہور: الوقار پبلیکیشنز، ۲۰۰۲ء)
- قزلباش، ڈاکٹر سلیم آغا ، (جدید اردو افسانے کے رجحانات، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۱ء)
- نرانگ، گوپی چند ، (بیسویں صدی میں اردو ادب، لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۸ء)